Al-Mīthāq ***(Research Journal of Islamic Theology)***
ISSN: 2791-0989 (P), 2791-0997 (E)
Volume 05, **Issue** 02, April - June 2026, **PP**: 134-146
Open Access at: https://almithaqjournal.org/

Article QR

امام ابو یوسف کے فقہی تفردات: فقہ حنفی کے تناظر میں اختصاصی مطالعہ

The Distinctive Juristic Opinion of Imām Abū Yūsuf: A Specialized Study in the Context of Ḥanafī Jurisprudence

1. Shabbir Khan *shabbirqadri@gmail.com*	*M.Phil Scholar,* *Department of Islamic Studies,* *Green International University, Lahore.*
2. Dr. Muhammad Amin Bhatti *aminghsrehanwala@gmail.com*	*Assistant Professor,* *Department of Islamic Studies,* *Green International University, Lahore.*

How to Cite: Shabbir Khan and Dr. Muhammad Amin Bhatti. 2026: "The Distinctive Juristic Opinion of Imām Abū Yūsuf: A Specialized Study in the Context of Ḥanafī Jurisprudence". Al-*Mīthāq (Research Journal of Islamic Theology)* 5 (02): 134-146.

Article History:

Received:	**Accepted**:	**Published**:
13-05-2026	20-06-2026	30-06-2026

Copyright: **©The Authors**

Licensing: This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

Conflict of Interest: Author(s) declared no conflict of interest.

Abstract & Indexing

Publisher

HIRA INSTITUTE
of Social Sciences Research & Development

امام ابو یوسف کے فقہی تفردات: فقہ حنفی کے تناظر میں اختصاصی مطالعہ

The Distinctive Juristic Opinion of Imām Abū Yūsuf: A Specialized Study in the Context of Ḥanafī Jurisprudence

1. **Shabbir Khan**
M.Phil Scholar, Department of Islamic Studies, Green International University, Lahore.
shabbirqadri@gmail.com

2. **Dr. Muhammad Amin Bhatti**
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Green International University, Lahore.
aminghsrehanwala@gmail.com

Abstract

This study examines the juristic particularities (Tafarrudāt) of Imām Abū Yūsuf (d. 182 AH), one of the foremost disciples of Imām Abū Ḥanīfa and the first Qāḍī al-Quḍāt (Chief Justice) in Islamic history. Although the Ḥanafī school is fundamentally rooted in the legal thought of Imām Abū Ḥanīfa, its subsequent development, practical application, and systematic formulation were significantly influenced by the independent ijtihād of Imām Abū Yūsuf. The study seeks to identify and critically analyze the legal issues in which Imām Abū Yūsuf departed from the positions of Imām Abū Ḥanīfa or his contemporary, Imām Muḥammad al-Shaybānī, and arrived at an independent juristic opinion. Employing an analytical and comparative methodology, the research draws upon major primary sources of Ḥanafī jurisprudence, particularly Kitāb al-Kharāj and the Ẓāhir al-Riwāyah works. It explores the underlying factors that contributed to these juristic differences, including the availability of additional aḥādīth, differences in ʿurf (customary practices), and the practical experience gained by Imām Abū Yūsuf through his judicial and administrative responsibilities during the ʿAbbāsid period. The study further evaluates the influence of his distinctive juristic positions on the subsequent development of the Ḥanafī tradition, with particular attention to the adoption of several of his opinions as muftā bihi positions due to their practical relevance and applicability. Overall, the study highlights the intellectual diversity, methodological dynamism, and capacity for legal adaptation within the Ḥanafī school, demonstrating how juristic reasoning responded to changing judicial, administrative, social, and economic circumstances while remaining grounded in the principles of Islamic jurisprudence.

Keywords: *Imām Abū Yūsuf, Juristical Uniqueness (Tafarrudat), Ḥanafī Jurisprudence, Ijtihād, Islamic Legal Theory, ‘Urf, Comparative Fiqh.*

تعارف

اسلامی شریعت کے تدوین وارتقاء میں فقہ حنفی کو ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ یہ فقہ محض ایک فرد کی سوچ نہیں بلکہ ایک باقاعدہ علمی مجلس کی محنت کا نتیجہ ہے جس کے سرخیل امامِ اعظم ابو حنیفہؒ تھے۔ ان کے تلامذہ میں امام ابو یوسفؒ (113ھ - 182ھ) کا مقام ایک ستون کی مانند ہے۔ امام ابو یوسف نہ صرف امام صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں بلکہ وہ فقہ حنفی کے پہلے بڑے مدون اور تاریخِ اسلام کے پہلے "قاضی القضاۃ (Chief Justice)" ہیں۔ آپ کی علمی شخصیت کا خاصہ یہ ہے کہ آپ نے علمِ

حدیث اور علمِ فقہ کو ایک لڑی میں پرو دیا۔ امام ابو یوسف کے "تفردات" سے مراد وہ فقہی مسائل ہیں جن میں انہوں نے اپنے استاذ امام ابو حنیفہؒ کی قائم کردہ رائے سے علمی اختلاف کیا اور ایک مستقل موقف اختیار کیا۔ یہ تفردات فقہ حنفی کے داخلی تنوع اور اس کی وسعت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

امام ابو یوسف کے تفردات محض اتفاقی نہیں تھے بلکہ ان کے پیچھے ٹھوس علمی اسباب کار فرما تھے۔ پہلا سبب "وصولِ حدیث" تھا۔ امام ابو حنیفہ کے دور میں تدوینِ حدیث کا عمل ابتدائی مراحل میں تھا، جبکہ امام ابو یوسف کے دور میں احادیث کے ذخیرے تک رسائی آسان ہو چکی تھی۔ بہت سے مسائل میں جب امام ابو یوسف کو کوئی ایسی صحیح حدیث ملی جو ان کے استاذ کی رائے کے خلاف تھی، تو انہوں نے اتباعِ سنت میں اپنی رائے تبدیل کر لی۔ دوسرا بڑا سبب "تغیرِ زمانہ اور عرف" ہے۔ امام ابو یوسف نے بطور قاضی القضاۃ عباسی خلافت کے انتظامی امور کو قریب سے دیکھا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ بدلتے ہوئے معاشی اور سماجی حالات میں بعض قدیم فقہی آراء پر عمل درآمد مشکل ہے، چنانچہ انہوں نے مصلحتِ عامہ اور عرفِ زمان کو بنیاد بنا کر نئے اجتہادات کیے۔ علامہ ابن عابدین شامی فقہ حنفی کے ارتقاء اور صاحبین کے اختلافات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) کا اختلاف در حقیقت دلیل کا اختلاف ہے، اور اکثر مقامات پر یہ اختلاف زمانہ اور عرف کے بدلنے کی وجہ سے ہے، نہ کہ اصول کے اختلاف کی وجہ سے۔"[1]

امام ابو یوسف کے تفردات کا سب سے روشن پہلو مالیاتی اور انتظامی امور ہیں۔ ان کی شہرہ آفاق تصنیف "کتاب الخراج" ان کے تفردات کا مجموعہ ہے۔ اس میں انہوں نے زمین کے لگان، خراج، زکوۃ اور بیت المال کے نظم و نسق میں ایسی آراء دی ہیں جو امام ابو حنیفہ کے قیاس سے ہٹ کر عملیت پر مبنی ہیں۔ مثلاً مزارعت (حصے داری پر کاشتکاری) کے مسئلے میں امام ابو حنیفہ اسے فاسد قرار دیتے تھے، لیکن امام ابو یوسف نے لوگوں کی ضرورت اور تعامل کو دیکھتے ہوئے اسے جائز قرار دیا اور آج فقہ حنفی میں فتویٰ اسی پر ہے۔ ان کے یہ تفردات ثابت کرتے ہیں کہ اسلامی قانون جامد نہیں بلکہ حرکی ہے۔

بطور چیف جسٹس، امام ابو یوسف نے قانونِ شہادت اور عدالتی طریقہ کار میں کئی اصلاحات کیں۔ انہوں نے گواہوں کے تزکیہ، جرح و تعدیل اور قاضی کے اختیارات کے حوالے سے جو تفردات اختیار کیے وہ آج کے جدید قانونی ڈھانچے کے لیے بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ قاضی کو صرف ظاہری الفاظ پر نہیں بلکہ معاملے کی روح اور سماجی اثرات پر بھی نظر رکھنی چاہیے۔ ان کے نزدیک قانون کا مقصد محض سزا دینا نہیں بلکہ عدل کا قیام اور معاشرے کی اصلاح ہے۔ امام سرخسی نے امام ابو یوسف کے فقہی مقام کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "امام ابو یوسف وہ شخصیت ہیں جنہوں نے فقہ کو قیاس کی بلندیوں سے اتار کر عمل کی زمین پر نافذ کیا۔ ان کے تفردات در اصل فقہ حنفی کی وہ توسیع ہے جس نے اسے ایک عالمی قانون بنا دیا۔"[2]

نکاح، طلاق اور نفقہ جیسے عائلی معاملات میں بھی امام ابو یوسف کے کئی تفردات موجود ہیں۔ انہوں نے عورتوں کے حقوق، مہر کی ادائیگی اور عدت کے مسائل میں ایسی آراء دیں جن میں آسانی اور سہولت کا پہلو نمایاں ہے۔ ان کا منہج یہ تھا کہ جہاں نص (قرآن و سنت) واضح نہ ہو، وہاں ایسی راہ نکالی جائے جو انسانی معاشرے کے لیے باعثِ رحمت ہو۔ ان کے تفردات کی وجہ سے فقہ حنفی کو دیگر مسالک کے مقابلے میں زیادہ قبولیت حاصل ہوئی کیونکہ اس میں انسانی فطرت اور سماجی ضرورتوں کا گہرا لحاظ رکھا گیا ہے۔ فقہ حنفی کے متاخرین فقہاء اور اصحابِ ترجیح نے امام ابو یوسف کے تفردات کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ فقہ کی کتب میں

سینکڑوں ایسے مسائل ہیں جہاں فتویٰ امام ابو حنیفہ کی رائے کے بجائے امام ابو یوسف کے قول پر دیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام ابو یوسف کی رائے میں "توسع" (گنجائش) زیادہ ہے۔ علمی حلقوں میں یہ اصول تسلیم کیا گیا ہے کہ "قضا اور انتظامی امور میں امام ابو یوسف کا قول مقدم ہے"۔ امام ابو یوسف پہلے شخص ہیں جنہوں نے فقہ حنفی کے اصولوں کو مدون کیا اور ان میں ایسی وسعت پیدا کی کہ وہ حکومت اور عوام دونوں کے لیے قابلِ عمل بن گئی۔ ان کے اختلافات دراصل علم کی ترقی کا زینہ ہیں۔"[3]

امام ابو یوسف کے فقہی تفردات فقہ حنفی کا وہ بیش قیمت اثاثہ ہیں جنہوں نے اس فقہ کو دنیا کے بڑے حصے میں نافذ العمل بنایا۔ زیرِ نظر تحقیق کا مقصد ان تفردات کو مختلف ابوابِ فقہ (عبادات، معاملات، عائلی قوانین) کی ترتیب سے جمع کرنا اور ان کی علمی و اصولی بنیادوں کا تجزیہ کرنا ہے۔ یہ مطالعہ نہ صرف امام ابو یوسف کی علمی جلالت کو واضح کرے گا بلکہ عصرِ حاضر کے قانونی مسائل کے حل کے لیے فقہ حنفی کی لچک اور وسعت کو بھی دنیا کے سامنے نمایاں کرنے کا سبب بنے گا۔

امام ابو یوسف کی مختصر سوانح

امام ابو یوسفؒ کا شمار تاریخِ اسلام کی ان عبقری شخصیات میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی علمی وجاہت سے فقہ اسلامی کو ایک نئی جہت عطا کی۔ آپ کا اسمِ گرامی یعقوب ہے اور آپ کے والد کا نام ابراہیم بن حبیب تھا۔ آپ کا شجرہ نسب انصاری صحابی حضرت سعد بن بجیر بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ آپ اپنے بڑے بیٹے یوسف کے نام کی نسبت سے "ابو یوسف" کے نام سے مشہور اور تاریخ میں اسی سے معروف ہوئے۔ آپ کا تعلق مدینہ منورہ کے معزز قبیلہ بجیلہ سے تھا، جس کے بزرگ بعد میں کوفہ میں آباد ہو گئے تھے۔[4] آپ نے آغاز میں امام ابن ابی لیلیٰ سے علم سیکھا اور پھر سترہ برس مسلسل امام اعظم ابو حنیفہؒ کی مجلسِ درس سے وابستہ رہ کر فقہ کی تکمیل کی۔ آپ عباسی دور میں بغداد کے قاضی مقرر ہوئے اور خلیفہ ہارون الرشید نے آپ کو اسلامی تاریخ کا پہلا "قاضی القضاۃ" (چیف جسٹس) منتخب کیا۔

آپ کے حسب و نسب کی بحث میں یہ نکتہ بھی اہم ہے کہ آپ کو 'القاضی' کا لقب اس لیے ملا کیونکہ آپ نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ عدالتی امور میں صرف کیا اور اسلامی تاریخ میں پہلی بار قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز ہوئے۔ آپ کے خاندان میں علم کا یہ سلسلہ آپ کے بعد بھی جاری رہا، اور آپ کے بیٹے یوسف بن یعقوب بھی منصبِ قضا پر فائز رہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم و فضل آپ کے خاندان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ امام صاحب ہمیشہ اپنے نسب پر فخر کرتے لیکن ان کا اصل فخر ان کا علمی کمال تھا جس نے انہیں کوفہ سے نکال کر بغداد کی خلافت کے سب سے بڑے منصب تک پہنچا دیا۔ آپ کے نسبی تعلق اور قبیلہ بجیلہ کی اہمیت کے بارے میں ندوی صاحب لکھتے ہیں:

> "امام ابو یوسف کا خاندان عرب کے مشہور قبیلہ بجیلہ سے تھا اور ان کے دادا سعد بن حبتہ انصار کے حلیف تھے، جس کی وجہ سے انہیں انصاری بھی لکھا جاتا ہے۔"[5]

آپ کی وفات بغداد میں 15 جمادی الآخر سن 182ھ کو ہوئی، اور ہارون الرشید نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

علمِ حدیث میں امام ابو یوسف کا مقام و مرتبہ

آپ نے ان احادیث کو اپنی فقہ کی بنیاد بنایا جن تک شاید دیگر فقہاء کی رسائی نہ ہو سکی تھی۔ آپ کی علمی وجاہت کا یہ عالم تھا کہ جب آپ کسی حدیث سے استدلال کرتے تو بڑے بڑے محدثین آپ کے استنباط کی داد دیے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ آپ نے علمِ حدیث کو فقہ کے تابع نہیں کیا بلکہ فقہ کو حدیث کی روشنی میں مرتب کیا، یہی وجہ ہے کہ امام صاحب کے کئی تفردات کی بنیاد وہ

احادیث ہیں جو ان کے علم میں بعد میں آئیں اور انہوں نے ان کی بنیاد پر اپنے استاذ کے قول سے رجوع کر لیا۔ امام ابو یوسفؒ کی علمِ حدیث میں ثقاہت کے بارے میں امام یحیٰ بن معین کا قول نہایت اہمیت کا حامل ہے، جس سے آپ کے مقام کا تعین ہوتا ہے:

"قَالَ يحْيى بنُ مَعِينٍ: مَا رَأَيتُ فِي أَصْحَابِ الرَّأْي أَثْبَتَ فِي الحَدِيثِ، وَلَا أَحْفَظَ، وَلَا أَصَحَّ رِوَايةً مِنْ أَبِي يوسُفَ "[6]

یحیٰ بن معین فرماتے ہیں کہ میں نے اصحابِ رائے (فقہاء) میں ابو یوسف سے زیادہ حدیث میں پختہ، زیادہ حافظے والا اور زیادہ صحیح روایت کرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔

امام شافعیؒ کا امام ابو یوسفؒ کی فقہی برتری کے حوالے سے مشہور قول درج ذیل ہے:

مَنْ أَرَادَ أَنْ يتبَحَّرَ فِي الفِقْه فَهوَ عِيالٌ عَلَى أَبِي حَنِيفَةَ، وَكَانَ أَبُو يوسُفَ مِنْ أَنزَعِ النَّاسِ بِالفِقْه[7]

جو شخص فقہ میں تبحر (گہرائی) حاصل کرنا چاہتا ہے وہ امام ابو حنیفہ کا محتاج ہے، اور ابو یوسف لوگوں میں فقہ کا سب سے زیادہ استخراج کرنے والے تھے۔

منصبِ قضا اور عدالتی خدمات

اسلامی تاریخ کے عدالتی نظام میں امام ابو یوسفؒ کا نام ایک روشن ستارے کی مانند چمکتا ہے۔ آپ کو تاریخِ اسلام کا پہلا "قاضی القضاۃ" ہونے کا منفرد اعزاز حاصل ہے۔ منصبِ قضا پر فائز ہونے کے بعد امام ابو یوسفؒ نے جو سب سے اہم اصلاحات کیں، ان میں قاضیوں کی وردی کا تعین، عدالتی ریکارڈ کی باقاعدہ حفاظت اور گواہوں کی جانچ پڑتال کا سخت نظام شامل تھا۔ آپ نے یہ اصول وضع کیا کہ قاضی کو نہ صرف قانون کا عالم ہونا چاہیے بلکہ اسے معاشرتی نفسیات اور عرف وعادت کا بھی ادراک ہونا چاہیے۔

فقہ المالیات کی بنیاد: کتاب الخراج کا علمی جائزہ

"کتاب الخراج" کا علمی جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے اس میں معاشی انصاف اور انسانی حقوق کو اوّلیت دی ہے۔ آپ کی یہ کتاب درحقیقت معاشی جبر کے خلاف ایک مضبوط قانونی دیوار ثابت ہوئی جس نے غریب کسانوں اور تاجروں کے حقوق کا تحفظ کیا۔ امام ابو یوسفؒ کی معاشی اصلاحات اور خلیفہ کو دی گئی نصیحتوں کے بارے میں امام قاضی عیاضؒ لکھتے ہیں:

صَنَّفَ أَبُو يوسُفَ كِتَابَ الْخَرَاجِ فبَينَ فِيه سُبُلَ الْعَدْلِ فِي أَمْوَالِ الدَّوْلَةِ، وَكَانَ قوْلُه فِيه حُجَّةً عَلَى الْحُكَّامِ فِي رِعَايةِ الْمَسَاكِينِ[8]

ابو یوسف نے کتاب الخراج تصنیف کی، پس اس میں ریاستی اموال میں عدل کے طریقے بیان کیے، اور مساکین کی رعایت کے معاملے میں ان کا قول حکمرانوں پر حجت بن گیا۔

اس کتاب نے صدیوں تک اسلامی حکومتوں کو ایک مکمل معاشی نظام فراہم کیا۔ عباسی دور کے بعد بھی جب بھی معاشی اصلاحات کی ضرورت پڑی، مسلم حکمرانوں نے امام ابو یوسفؒ کی "کتاب الخراج" سے ہی رہنمائی حاصل کی۔

امام اعظمؒ سے علمی اختلاف اور فقہی ارتقاء

امام ابو یوسفؒ کی علمی زندگی کا ایک نہایت روشن اور سبق آموز پہلو اپنے عظیم استاد امام اعظم ابو حنیفہؒ سے بعض مسائل میں علمی اختلاف کرنا ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے اس علمی منہج اور استاد سے اختلافِ رائے کی حقیقت کے بارے میں علامہ ابنِ بزازیؒ رقمطراز ہیں:

"كَانَ أَبُو يوسُفَ يقُولُ: لَا ينبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يقُولَ بِقَوْلِنَا حَتَّى يعْلَمَ مِنْ أَينَ قلْنَا، وَكَانَ يخَالِفُ

شَيخَه إِذَا صَحَّ عِنْدَه الْأَثَرُ أَوْ تغَيرَ الْعُرْفُ"[9]

ابو یوسف فرمایا کرتے تھے: کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ہماری بات (فتویٰ) اختیار کرے جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو کہ ہم نے یہ بات کہاں سے (کس دلیل سے) کہی ہے، اور وہ اپنے شیخ (امام ابو حنیفہ) سے اس وقت اختلاف کرتے جب ان کے نزدیک کوئی اثر (حدیث) صحیح ثابت ہو جاتا یا عرف بدل جاتا۔

بے شک ابو یوسف کا اپنے شیخ سے اختلاف بے ادبی کی بنا پر نہیں تھا، بلکہ یہ دین کی خیر خواہی اور حق کی تلاش کے لیے تھا، اور اسی کی بدولت مذہب (فقہ حنفی) میں وسعت پیدا ہوئی اور اس کی حجت (دلیل) مضبوط ہوئی۔

عہدہ قضا پر تقرری اور "قاضی القضاۃ" کا تاریخی اعزاز

آپ کی اس عہدے پر تقرری محض ایک انتظامی فیصلہ نہیں تھا، بلکہ یہ آپ کی علمی جلالت اور فقہی بصیرت کا اعتراف تھا۔ تاریخ اسلام میں آپ پہلے شخص ہیں جنہیں "قاضی القضاۃ" (چیف جسٹس) کے عظیم الشان لقب سے نوازا گیا۔ اس سے قبل قاضی کا عہدہ مقامی سطح پر ہوتا تھا، لیکن آپ کی تقرری نے عدالتی نظام کو ایک مرکزی حیثیت عطا کی، جہاں پوری مملکت کے قاضیوں کے تقرر اور عدالتی پالیسیوں کی نگرانی آپ کے سپرد کر دی گئی۔ اس منصب پر فائز ہونے کے بعد امام ابو یوسفؒ نے عدالتی نظام میں شفافیت کو فروغ دیا۔ آپ نے قاضیوں کے تقرر کے لیے کڑے معیار مقرر کیے تاکہ کسی قسم کی اقرباء پروری یا سیاسی مداخلت کی گنجائش نہ رہے۔ علامہ ابن عبد البرؒ نے امام صاحب کی اس منصب پر تقرری اور ان کے علمی اثر ورسوخ کے بارے میں لکھا ہے:

"كَانَ أَبُو يوسُفَ عَظِيمَ الْقَدْرِ عِنْدَ الْخُلَفَاءِ، وَأَوَّلَ مَنْ سُمِّي قَاضِي الْقُضَاةِ، وَبِه انتَشَرَ مَذْہبُ أَبِي حَنِيفَةَ فِي أَقْطَارِ الدَّوْلَةِ الْعَبَّاسِيةِ"[10]

ابو یوسف خلفاء کے ہاں بہت بلند مرتبے کے حامل تھے، وہ پہلے شخص تھے جنہیں قاضی القضاۃ کا نام دیا گیا، اور انہی کے ذریعے عباسی ریاست کے گوشے گوشے میں امام ابو حنیفہ کا مذہب پھیلا۔

اوّل: طہارت وعبادات میں امام ابو یوسف کے تفردات

امام ابو یوسفؒ نے طہارت کے ابواب میں کئی ایسے مسائل میں امام اعظم ابو حنیفہؒ سے علمی اختلاف کیا ہے جہاں دلیل کی قوت یا حدیثِ صحیح کی موجودگی نے انہیں ایک الگ اجتہادی راہ دکھلائی۔ طہارت چونکہ نماز کی بنیادی شرط ہے، اس لیے امام صاحب نے اس کے جزئیات میں نہایت باریک بینی سے کام لیا۔ آپ کے تفردات زیادہ تر "پانی کے اوصاف"، "نجاست کے احکام" اور "مسح" جیسے اہم مسائل پر محیط ہیں۔ ان تفردات کی خاص بات یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے جہاں حدیثِ رسول ﷺ کو صریح پایا، وہاں اپنے استاد کی رائے کے مقابلے میں حدیث کو ترجیح دی، جس سے فقہ حنفی کے ذخیرے میں وسعت اور تنوع پیدا ہوا۔

مستعمل پانی کا حکم

امام سرخسیؒ "المبسوط" میں امام ابو یوسفؒ کے اس تفرد کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قَالَ أَبُو يوسُفَ رَحِمَه الله: الْمَاءُ الْمُسْتَعْمَلُ طَاہِرٌ غَيرُ مُطَہِرٍ، وَہوَ رِوَايةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَيضاً، وَلَكِنَّ ہذَا ہوَ قَوْلُه الْمَشْہورُ لِأَنَّ الصَّحَابَةَ كَانُوا يتوَضَّئُونَ وَتُصِيبُ ثِيابَہمْ رَشَاشُ مَائِہمْ وَلَمْ يغْسِلُوہا۔[11]

ابو یوسفؒ نے فرمایا: استعمال شدہ پانی خود پاک ہے مگر پاک کرنے والا نہیں، اور یہ امام صاحب سے بھی ایک روایت ہے، لیکن یہی (پاک ہونا) امام ابو یوسف کا مشہور قول ہے کیونکہ صحابہ کرامؓ وضو کرتے تھے اور ان کے

کپڑوں پر وضو کے چھینٹے پڑتے تھے مگر وہ انہیں دھوتے نہیں تھے۔

مقتدی کی نماز کا حکم

ایک اور اہم تفرُّد "امام کی نماز فاسد ہونے" کی صورت میں مقتدیوں کی نماز سے متعلق ہے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک اگر امام کی نماز کسی ایسی وجہ سے فاسد ہو جائے جو سب پر ظاہر نہ ہو، تو مقتدیوں کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی اور انہیں دہرانا پڑے گی۔ لیکن امام ابو یوسفؒ اس میں تخفیف کے قائل ہیں کہ مقتدیوں پر اس کا اثر نہیں ہونا چاہیے، بشرطیکہ وہ امام کی حالت سے بے خبر ہوں۔ علامہ کاسانیؒ "بدائع الصنائع" میں مقتدی کی نماز کی صحت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وَعَنْ أَبِي يوسُفَ أَنَّ صَلَاةَ الْمُؤْتَمِّ لَا تفْسُدُ بِفَسَادِ صَلَاةِ الْإِمَامِ إِذَا كَانَ الْمُؤْتَمُّ جَاهِلًا بِحَدَثِه، لِأَنَّ صَلَاةَ الْمُقْتَدِي قَوِيةٌ بِذَاتِها، وَہذَا مَذْہبُ الشَّافِعِي أَيضاً". [12]

اور امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے فاسد ہونے سے فاسد نہیں ہوتی، بشرطیکہ مقتدی امام کے بے وضو ہونے سے ناواقف ہو کیونکہ مقتدی کی نماز بذاتِ خود مستقل حیثیت رکھتی ہے۔ یہی امام شافعیؒ کا بھی مذہب ہے۔

نماز میں "تعدیلِ ارکان" کے واجب یا فرض ہونے میں بھی امام ابو یوسفؒ کا تفرد موجود ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ نماز کا رکن (فرض) ہے، اور اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ آپ کا یہ قول احتیاط پر مبنی ہے تاکہ نماز میں جلد بازی کا سدِ باب ہو سکے۔ علامہ ابنِ عابدین شامیؒ "رد المحتار" میں تعدیلِ ارکان کے حکم پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وَالْمَشْہورُ عَنْ أَبِي يوسُفَ أَنَّ الطُّمَأْنِينَةَ فَرْضٌ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ وَالْقَوْمَةِ وَالْجَلْسَةِ، وَبِه أَخَذَ الشَّافِعِي وَأَحْمَدُ، وَتَبْطُلُ الصَّلَاةُ بِتَرْكِها عِنْدَه". [13]

اور امام ابو یوسفؒ سے مشہور یہ ہے کہ رکوع، سجدہ، قومہ اور جلسہ میں اطمینان (طمانیت) فرض ہے، اور یہی امام شافعیؒ اور احمدؒ نے اختیار کیا ہے، اور ان کے نزدیک اسے چھوڑنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

زکوٰۃ اور صدقات کے تفردات

زکوٰۃ کے مسائل میں آپ کے تفردات زیادہ تر عملی نوعیت کے ہیں جو نصاب کے تعین، اموالِ تجارت کی مالیت اور معدنیات و زمینی پیداوار پر محصولات سے متعلق ہیں۔ آپ نے انفرادی ملکیت اور اجتماعی مفاد کے درمیان ایسی راہیں تلاش کیں جو نصِ صریح اور مصلحتِ عامہ کے عین مطابق تھیں۔ علامہ مرغینانیؒ "ہدایہ" میں عشر کے نصاب پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وَقَالَ أَبُو يوسُفَ وَمُحَمَّدٌ: لَا يجِبُ الْعُشْرُ إِلَّا فِيمَا لَه ثَمَرَةٌ بَاقِيةٌ إِذَا بلَغَ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ، لِقَوْلِه ﷺ: لَيسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ". [14]

اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا: عشر صرف اسی (پیداوار) میں واجب ہے جو باقی رہنے والا پھل ہو بشرطیکہ وہ پانچ وسق تک پہنچ جائے، نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ: پانچ وسق سے کم میں زکوۃ (عشر) نہیں ہے۔

اموالِ تجارت کی زکوٰۃ میں اگر سونے اور چاندی کے نصاب میں فرق آ جائے، تو امام ابو یوسفؒ کا ایک منفرد قول یہ ہے کہ نصاب کا تعین اس دھات سے کیا جائے گا جو فقراء کے لیے زیادہ فائدہ مند ہو۔ آپ کا یہ تفرُّد خالصتاً سماجی عدل اور مساکین کی رعایت پر مبنی ہے۔ علامہ ابنِ عابدین شامیؒ "رد المحتار" میں اموالِ تجارت کی قیمت کے تعین پر لکھتے ہیں:

"وَعَنْ أَبِي يوسُفَ: يقَوَّمُ عُرُوضُ التِّجَارَةِ بِمَا هوَ أَنْفَعُ لِلْفُقَرَاءِ رِعَايةً لِحَقِّهِمْ، وَبِذَا بوَ الْمُخْتَارُ فِي الْفَتوَى عِنْدَ تغَيرِ الْأَثْمَانِ۔"[15]

اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ: تجارتی سامان کی قیمت اس (سونے یا چاندی) سے لگائی جائے گی جو فقراء کے لیے زیادہ نفع بخش ہو تا کہ ان کے حق کی رعایت ہو سکے، اور قیمتوں کے تغیر کے وقت یہی قول فتویٰ کے لیے پسندیدہ ہے۔

روزے کا حکم

روزے کی حالت میں بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، یہ متفقہ مسئلہ ہے۔ تاہم، امام ابو یوسفؒ کا ایک تفرُّد یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے بھول کر کھا پی لیا اور پھر یہ سمجھ کر کہ میرا روزہ ٹوٹ گیا ہے، جان بوجھ کر دوبارہ کھا لیا، تو امام صاحب کے نزدیک اس پر صرف قضا لازم ہے، کفارہ نہیں، کیونکہ یہ ایک "شبہ" (غلط فہمی) کی بنیاد پر ہوا ہے۔ علامہ مرغینانیؒ "ہدایہ" میں اس مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مَنْ أَكَلَ نَاسِياً ثُمَّ ظَنَّ أَنَّه أَفْطَرَ فَأَكَلَ عَامِداً، فعَلَيه الْقَضَاءُ دُونَ الْكَفَّارَةِ عِنْدَ أَبِي يوسُفَ، لِأَنَّ الظَّنَّ صَارَ شُبْهةً فِي دَرْءِ الْكَفَّارَةِ". [16]

جس نے بھول کر کھایا پھر گمان کیا کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا ہے اور پھر جان بوجھ کر کھا لیا، تو ابو یوسفؒ کے نزدیک اس پر قضا ہے کفارہ نہیں، کیونکہ اس گمان نے کفارہ ساقط کرنے کے لیے شبہ پیدا کر دیا۔

اعتکاف کا حکم

اعتکاف کے لیے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک "روزہ" شرط ہے، خواہ وہ اعتکاف مسنون ہو یا نذر (واجب)۔ لیکن امام ابو یوسفؒ کا ایک تفرد یہ ہے کہ نفل اعتکاف کے لیے روزہ شرط نہیں ہے۔ آپ کے نزدیک ایک شخص مسجد میں تھوڑی دیر کے لیے بھی اعتکاف کی نیت سے بیٹھ سکتا ہے اگرچہ وہ روزے سے نہ ہو، جس سے عام لوگوں کے لیے نفلی اعتکاف کے فضائل سمیٹنا آسان ہو جاتا ہے۔ علامہ کاسانیؒ "بدائع الصنائع" میں اعتکاف کی شرائط پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وَعِنْدَأَبِي يوسُفَ:الصَّوْمُ لَيسَ بِشَرْطٍ لِصِحَّةِالِاعْتِكَافِ النفْلِ، لِأَنَّه عِبَادَةٌ مُسْتَقِلَّةٌ، فَلَا يفْتَقِرُ إِلَى عِبَادَةٍ أُخْرَى"[17]

اور ابو یوسفؒ کے نزدیک نفلی اعتکاف کی صحت کے لیے روزہ شرط نہیں ہے، کیونکہ یہ ایک مستقل عبادت ہے، پس یہ دوسری عبادت (روزے) کی محتاج نہیں ہے۔

اعتکاف کی حالت میں انسانی ضروریات کے لیے مسجد سے نکلنے کے حوالے سے بھی امام ابو یوسفؒ کا ایک تفرد ہے۔ اگر معتکف کسی ایسی ضرورت (مثلاً غسلِ جمعہ یا کسی شرعی عذر) کے لیے مسجد سے نکلے جس میں اسے طویل وقت لگ جائے، تو امام صاحب کے نزدیک اس کا اعتکاف باطل نہیں ہوتا، بشرطیکہ وہ ضرورت پوری ہوتے ہی فوراً واپس آ جائے۔

دوم: فقہ المعاملات میں امام ابو یوسف کے تفردات

امام ابو یوسفؒ نے خرید و فروخت اور تجارتی معاملات (بیوع) میں جو تفردات اختیار کیے ہیں، وہ ان کی معاشی بصیرت اور بدلتے ہوئے تجارتی حالات کے گہرے ادراک کا نتیجہ ہیں۔ امام صاحب نے بیوع کے باب میں "عرف و عادات" اور "تعاملِ ناس" (لوگوں کے لین دین کے عام طریقے) کو بہت اہمیت دی ہے۔ آپ نے بعض ایسی بیع کی صورتوں کو جائز قرار دیا جنہیں امام اعظمؒ نے

احتیاطاً ناجائز قرار دیا تھا۔ آپ کے یہ تفردات آج کے دور کے جدید بینکاری اور تجارتی معاہدات کے لیے ایک مستحکم بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ علامہ کاسانیؒ "بدائع الصنائع" میں استصناع کے حکم پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قَالَ أَبُو يوسُفَ: إِذَا اسْتَصْنَعَ شَيئاً فلَيسَ لِلْمُسْتَصْنِعِ أَنْ يتْرُكَه إِذَا جَاءَ بِه الصَّانِعُ عَلَى الصِّفَةِ الْمَشْرُوطَةِ، لِأَنَّ فِي إِبَاحَةِ الرُّجُوعِ إِضْرَاراً بِالصَّانِعِ، وَبِه يفْتَى".[18]

ابو یوسفؒ نے فرمایا: جب کسی نے کوئی چیز بنوائی تو بنوانے والے (گاہک) کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اسے چھوڑ دے جبکہ کاریگر نے وہ چیز طے شدہ صفات کے مطابق بنادی ہو، کیونکہ معاہدہ ختم کرنے کی اجازت دینے میں کاریگر کا نقصان ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔

کتاب الوقف میں امام ابو یوسف کا اصولی تفرّد

امام ابو یوسفؒ نے وقف کے احکام میں جو اجتہادات فرمائے ہیں، وہ فقہ حنفی میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اج کل دنیا بھر میں وقف کے جو قوانین رائج ہیں، وہ بڑی حد تک امام ابو یوسفؒ کی آراء پر مبنی ہیں۔ آپ کا سب سے بڑا اور اصولی تفرّد وقف کے "لزوم" سے متعلق ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک وقف ایک "تبرع" (عطیہ) ہے جو شرعی طور پر لازم نہیں ہوتا، یعنی واقف جب چاہے اسے ختم کر سکتا ہے یا اسے فروخت کر سکتا ہے۔ لیکن امام ابو یوسفؒ نے احادیثِ نبوی ﷺ اور عملِ صحابہؓ کی روشنی میں یہ موقف اختیار کیا کہ وقف ہوتے ہی جائیداد اللہ کی ملکیت میں چلی جاتی ہے اور وہ ہمیشہ کے لیے لازم ہو جاتی ہے۔ آپ کے اس اجتہاد نے اوقاف کے ادارے کو ایک مستقل قانونی اور سماجی تحفظ فراہم کیا۔ علامہ مرغینانیؒ "ہدایہ" میں وقف کے لزوم پر امام صاحب کا موقف یوں بیان کرتے ہیں:

"قَالَ أَبُو يوسُفَ: يلْزَمُ الْوَقْفُ بِمُجَرَّدِ الْقَوْلِ وَتَزُولُ مِلْكِيةُ الْوَاقِفِ عَنْه، وَلَا يجُوزُ لَه الرُّجُوعُ فِيه وَلَا بَيعُه، لِقَوْلِه ﷺ لِعُمَرَ رَضِي الله عَنْه: تَصَدَّقْ بِأَصْلِها لَا تُبَاعُ وَلَا تُوهبُ".[19]

ابو یوسفؒ نے فرمایا: وقف محض کہنے سے لازم ہو جاتا ہے اور واقف کی ملکیت اس سے ختم ہو جاتی ہے، اور اس کے لیے اس سے رجوع کرنا یا اسے فروخت کرنا جائز نہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا تھا: اس کی اصل کو صدقہ کر دو، نہ وہ بیچی جائے گی اور نہ ہبہ کی جائے گی۔

نکاح اور ازدواجی حقوق کے منفرد مسائل

امام ابو یوسفؒ نے عائلی قوانین اور ازدواجی حقوق کے باب میں نہایت متوازن اور عملی تفردات اختیار کیے ہیں۔ نکاح چونکہ ایک سماجی معاہدہ بھی ہے اور ایک مقدس فریضہ بھی، امام صاحب نے اس کے انعقاد، کفو کے معیار، اور میاں بیوی کے مالی و معاشرتی حقوق میں "عرف" اور "مصلحت" کو خاص اہمیت دی ہے۔ ابو یوسفؒ نے ان مسائل میں جہاں امام اعظمؒ سے اختلاف کیا ہے، ان کا مقصود خاندانی نظام میں استحکام پیدا کرنا اور عورتوں کے حقوق کا تحفظ کرنا تھا، خاص طور پر ان صورتوں میں جہاں سماجی ڈھانچے میں تبدیلی آچکی تھی علامہ مرغینانیؒ "ہدایہ" میں کفو کے معیار پر بحث ہیں:

"وَاعْتَبَرَ أَبُو يوسُفَ الْحِرْفَةَ فِي الْكَفَاءَةِ، لِأَنَّ النَّاسَ يتعَيرُونَ بِدَنَاءَةِ الْحِرْفَةِ، وَذَلِكَ يمْنَعُ تَمَامَ الْأُنْسِ بَينَ الزَّوْجَينِ".[20]

اور امام ابو یوسفؒ نے کفو میں پیشے (حرفت) کا اعتبار کیا ہے، کیونکہ لوگ گھٹیا پیشے کی وجہ سے عار محسوس کرتے ہیں، اور یہ چیز میاں بیوی کے درمیان مکمل الفت وانسیت میں رکاوٹ بنتی ہے۔

نکاحِ فضولی کے بارے میں امام ابو یوسفؒ کا ایک تفرّد یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی نابالغ کا نکاح کر دیا اور پھر وہ شخص مر گیا، تو امام صاحب کے نزدیک یہ نکاح باطل ہو جائے گا، جبکہ امام اعظمؒ اسے "موقوف" رکھتے تھے۔ ابو یوسفؒ کا یہ قول یتیم بچوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے زیادہ محتاط ہے، کاسانیؒ "بدائع الصنائع" میں نکاحِ فضولی کے لزوم پر لکھتے ہیں:

"قَالَ أَبُو يوسُفَ: إِذَا زَوَّجَ الْفُضُولِي أَحداً ثُمَّ مَاتَ قبْلَ الْإِجَازَةِ بَطَلَ النِكَاحُ، لِأَنَّ الْإِجَازَةَ لَا تلْحَقُ الْمَيتَ، وبِه نَأْخُذُ احْتِياطاً۔"[21]

ابو یوسفؒ نے فرمایا: جب فضولی نے کسی کا نکاح کر دیا پھر وہ اجازت سے پہلے مر گیا تو نکاح باطل ہو گیا، کیونکہ اجازت میت کے ساتھ لاحق نہیں ہوتی، اور ہم احتیاطاً اسی کو اختیار کرتے ہیں۔

اَیمان و نذور (قسم اور نذر) کے فقہی تفردات

امام ابو یوسفؒ نے قسموں اور نذر کے احکام میں انسانی زبان کے عرف اور معاشرتی استعمال کو خاص اہمیت دی ہے۔ آپ کے نزدیک قسم کا مدار محض الفاظ کے لغوی معنی پر نہیں بلکہ ان کے عرفی مفہوم اور بولنے والے کی نیت پر ہے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک بعض الفاظ میں لغوی پہلو غالب تھا، لیکن امام ابو یوسفؒ نے "قاضی القضاۃ" کے منصب پر رہتے ہوئے یہ مشاہدہ کیا کہ لوگ گفتگو میں الفاظ کو کن معنوں میں استعمال کرتے ہیں، لہٰذا انہوں نے انھی عرفی معنوں کو فقہی احکام کی بنیاد بنایا۔ علامہ مرغینانیؒ "ہدایہ" میں الفاظِ قسم پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قَالَ أَبُو يوسُفَ: إِذَا قَالَ "أَمَانَةِ الله" فَهوَ حَالِفٌ، لِأَنَّه اسْتعْمِلَ فِي عُرْفِ النَّاسِ لِلْيمِينِ، وَالْمَدَارُ فِي هذَا الْبَابِ عَلَى الْعُرْفِ". [22]

ابو یوسفؒ نے فرمایا: جب کسی نے "اللہ کی امانت" کہا تو وہ قسم کھانے والا شمار ہو گا، کیونکہ لوگوں کے عرف میں یہ قسم کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور اس باب میں مدار عرف پر ہے۔

نذر کے لزوم میں امام ابو یوسفؒ کا تفرّد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی نذر مانے جس کا تعلق کسی دوسرے کی ملکیت سے ہو، تو امام صاحب کے نزدیک یہ نذر منعقد ہی نہیں ہو گی، جبکہ دیگر فقہاء کے نزدیک یہ ملکیت آنے پر موقوف رہتی ہے۔ آپ نے نذر کے لیے "فوری قدرت" کو ضروری قرار دیا۔ ابنِ عابدین شامیؒ "رد المحتار" میں نذر کے شرائط پر لکھتے ہیں:

"قَالَ أَبُويوسُفَ: لَا تَصِحُّ النَّذْرُ بِمَا لَا يمْلِكُه الْعَبْدُ فِي الْحَالِ، لِأَنَّ التَّصَرُّفَ فِي مِلْكِ الْغَيرِ بَاطِلٌ، وَالنَّذْرُ نوْعُ تَصَرُّفٍ". [23]

ابو یوسفؒ نے فرمایا: بندہ جس چیز کا فی الحال مالک نہ ہو اس کی نذر صحیح نہیں، کیونکہ غیر کی ملکیت میں تصرف باطل ہے اور نذر بھی ایک قسم کا تصرف ہے۔

خلاصہ یہ کہ ایمان و نذور میں امام ابو یوسفؒ کے تفردات ان کے "فقہ عرفی" کے مظہر ہیں۔ آپ نے ان مسائل میں الفاظ کے خشک لغوی معنوں کے بجائے سماجی استعمال اور انسانی نیت کو ترجیح دی، جس سے قسموں کے کفارے اور نذر کی ادائیگی میں عام لوگوں کے لیے بہت سی آسانیاں پیدا ہوئیں۔

سوم: کتاب الحدود اور تعزیرات میں امام ابو یوسف کے اجتہادات

بحیثیت قاضی القضاۃ، آپ کا پالا روزمرہ کے جرائم اور عدالتی معاملات سے رہتا تھا، اس لیے آپ کے اجتہادات میں قانونی باریک بینی کے ساتھ ساتھ سماجی نفسیات کا گہرا عکس ملتا ہے۔ آپ نے ان مسائل میں جہاں امام اعظمؒ سے علمی اختلاف کیا ہے، وہاں

ان کا مقصود معاشرے سے فساد کا خاتمہ اور سزا کے نفاذ میں ایسی شرائط وضع کرنا تھا جو ظلم اور زیادتی کا راستہ روک سکیں۔ علامہ کاسانیؒ "بدائع الصنائع" میں اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قَالَ أَبُو يوسُفَ: إِذَا نقَبَ جَمَاعَةٌ بيتاً وَدَخَلُوا وَأَخْرَجُوا الْمَالَ فَالْقَطْعُ عَلَيهِمْ جَمِيعاً إِذَا بلَغَ الْمَالُ نِصَاباً، لِأَنَّهمْ تعَاوَنُوا عَلَى الْفِعْلِ فَكَانُوا كَالْوَاحِدِ". [24]

ابو یوسفؒ نے فرمایا: جب ایک جماعت نے گھر میں نقب لگائی، داخل ہوئے اور مال باہر نکال لائے تو ان سب پر (ہاتھ کاٹنا) واجب ہے اگر مال نصاب تک پہنچ جائے، کیونکہ انہوں نے فعل پر ایک دوسرے کی مدد کی ہے، لہٰذا وہ ایک ہی شخص کی مانند ہوں گے۔

زنا کی حد کے حوالے سے "شہادت" (گواہی) کے باب میں امام ابو یوسفؒ کا ایک تفرّد یہ ہے کہ اگر گواہ گواہی دینے کے لیے عدالت میں حاضر ہو جائیں، لیکن حد لگنے سے پہلے ان میں سے کوئی ایک غائب ہو جائے یا مر جائے، تو امام صاحب کے نزدیک حد ساقط ہو جائے گی۔ آپ کے نزدیک حد کے نفاذ کے وقت تمام گواہوں کی موجودگی اور ان کی گواہی پر استقلال ضروری ہے۔ علامہ مرغینانیؒ "ہدایہ" میں حد کے سقوط پر رقمطراز ہیں:

"وَعِنْدَ أَبِي يوسُفَ: إِذَا غَابَ بَعْضُ الشُّهودِ أَوْ مَاتَ قَبْلَ الرَّجْمِ سَقَطَ الْحَدُّ، لِأَنَّ بَقَاءَ الشَّهادَةِ شَرْطٌ إِلَى تَمَامِ الاِسْتِيفَاءِ شُبْهةً لِلدَّرْءِ". [25]

اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک: اگر رجم (سزا) سے پہلے بعض گواہ غائب ہو جائیں یا مر جائیں تو حد ساقط ہو جائے گی، کیونکہ سزا کی تکمیل تک شہادت کا باقی رہنا سزا کو ٹالنے کے لیے ایک شبہ (کی بنیاد) ہے۔

تعزیر (ایسی سزا جو حد میں شامل نہ ہو) کے معاملے میں امام ابو یوسفؒ کا ایک تفرّد حاکمِ وقت کے اختیارات سے متعلق ہے۔ آپ کے نزدیک امام (حکمران) کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جرم کی نوعیت اور مجرم کے حالات کو دیکھ کر تعزیر کی مقدار میں اضافہ کر سکتا ہے، یہاں تک کہ وہ تعزیر حد کے قریب بھی پہنچ جائے، اگر معاشرے کی اصلاح کے لیے یہ ضروری ہو۔ علامہ ابنِ عابدین شامیؒ "رد المحتار" میں تعزیر کی مقدار پر لکھتے ہیں:

"أَجَازَ أَبُو يوسُفَ لِلْإِمَامِ أَنْ يعَزِّرَ بِمَا يرَى مِنَ الضَّرْبِ وَالْحَبْسِ زَجْراً لِلْمُفْسِدِينَ، وَإِنْ زَادَ عَلَى مَا قَدَّرَه غَيرُه، لِأَنَّ مَبْنَى التعْزِيرِ عَلَى كَفِّ الشَّرِّ". [26]

امام ابو یوسفؒ نے امام (حکمران) کے لیے جائز قرار دیا ہے کہ وہ مفسدین کو روکنے کے لیے مارنے اور قید کرنے میں جو مناسب سمجھے سزا دے، اگرچہ وہ دوسروں کی مقرر کردہ مقدار سے زیادہ ہو، کیونکہ تعزیر کی بنیاد برائی کو روکنے پر ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ ایک ایسے ہمہ گیر مفکر تھے جنہوں نے فقہ کو زندگی کے عملی تجربات کی بھٹی سے گزار کر کندن بنایا۔ آپ نے تقلیدِ جامد کے بجائے اجتہادِ مطلق کی شمع روشن کی اور یہ ثابت کیا کہ فقہ حنفی میں دوسرے ائمہ کی آراء اور حدیثِ نبوی ﷺ کے ظاہری مفہوم کو قبول کرنے کی مکمل گنجائش موجود ہے۔

خلاصہ بحث

زیرِ نظر تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ امام ابو یوسف کے بہت سے تفردات کی بنیاد وہ احادیثِ مبارکہ ہیں جن تک رسائی یا جن کی صحت کا پہلو امام اعظمؒ کے دور میں اس درجہ واضح نہ تھا جتنا امام صاحب کے دور میں ہوا۔ آپ نے "استحسان" اور "عرف" کو قانونی

ماخذ کے طور پر اس قدر متحرک کیا کہ فقہ حنفی میں لچک اور وسعت پیدا ہو گئی۔ فقہ العبادات کے باب میں امام ابو یوسفؒ کے تفردات انسانی استطاعت اور سہولت کے پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہیں۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج جیسے اہم ترین عبادات میں آپ کی آراء سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ آپ بندوں کے لیے اللہ کی بندگی کے راستے کو آسان بنانا چاہتے تھے۔ فقہ المعاملات میں امام ابو یوسفؒ کا کردار ایک انقلابی مجتہد کا ہے۔ آپ نے "بیوع" (خرید و فروخت) کے مسائل کو محض فقہی فرضیات کے بجائے مارکیٹ کے عرف اور تجارتی ضرورتوں سے ہم آہنگ کیا۔ عائلی قوانین، حدود، تعزیرات اور بین الاقوامی تعلقات (سیر) میں امام صاحب کے تفردات آپ کے ایک "مدبر قاضی" ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ نکاح میں کفو کا اعتبار، عورت کے حقوقِ مہر اور ولایت کے مسائل میں آپ نے خاندانی وقار اور معاشرتی توازن کو مقدم رکھا۔ حدود و تعزیرات میں آپ نے ملزم کو "شبہ" کا فائدہ دینے کے ساتھ ساتھ معاشرتی امن کے لیے سزا کے نفاذ میں عملی اقدامات کی حمایت کی۔ بین الاقوامی تعلقات میں آپ کا نقطہ نظر غیر مسلم ریاستوں کے ساتھ پر امن بقائے باہمی اور ذمیوں کے حقوق کے تحفظ پر مبنی ہے۔ آپ کی تصنیف "کتاب الخراج" محض ٹیکس کے نظام پر کتاب نہیں بلکہ ایک ریاست کو چلانے کے لیے انسانی حقوق اور معاشی عدل کا وہ عظیم منشور ہے جو آپ نے خلیفہ ہارون الرشید کو پیش کیا۔

سفارشات

- پاکستان سمیت دیگر اسلامی ممالک کے عدالتی نظام میں گواہوں کے "تزکیہ" کے لیے امام صاحب کے متعارف کردہ خفیہ اور اعلانیہ جانچ پڑتال کے طریقہ کار کو نافذ کیا جائے تاکہ جھوٹی گواہی کا سدِباب ہو۔
- محکمہ اوقاف کو چاہیے کہ وقفِ منقول اور وقف کے لزوم کے حوالے سے امام ابو یوسفؒ کی آراء کو قانونی ڈھانچے میں شامل کرے تاکہ اوقافی جائیدادوں کا بہتر انتظام ہو سکے۔
- نکاح، طلاق اور مہر کے مسائل میں جہاں معاشرتی پیچیدگیاں بڑھ رہی ہیں، وہاں امام ابو یوسفؒ کے تفردات کی روشنی میں ایسی ترامیم کی جائیں جو خاندانی نظام کو ٹوٹنے سے بچا سکیں۔
- خرید و فروخت (بیوع) کے باب میں امام صاحب کے پیش کردہ "خیارِ شرط" اور "بیع استصناع" کے اصولوں کو ای کامرس کے قوانین میں شامل کیا جائے۔
- امام ابو یوسفؒ نے بحیثیت قاضی القضاۃ انتظامیہ سے عدلیہ کو جو علیحدگی اور وقار بخشا، اسے موجودہ دور کے جمہوری نظام میں ایک رول ماڈل کے طور پر اپنایا جائے۔
- اجارہ (مزدوری) کے باب میں امام صاحب کے تفردات کی روشنی میں مزدوروں کی اجرتِ مثلی اور ان کے حقوق کے تحفظ کے لیے نئے ضوابط بنائے جائیں۔

References

[1] Ibn ʿĀbidīn, Muḥammad Amīn ibn ʿUmar ibn ʿAbd al-ʿAzīz, *Radd al-Muḥtār ʿalā al-Durr al-Mukhtār* (Beirut: Dār al-Fikr, 1992), 1:72.

[2] al-Sarakhsī, Shams al-Aʾimmah Muḥammad ibn Aḥmad, *al-Mabsūṭ* (Beirut: Dār al-Maʿrifah, 1993), 1:158.

[3] Shāh Walī Allāh al-Dihlawī, Aḥmad ibn ʿAbd al-Raḥīm, *Ḥujjat Allāh al-Bālighah* (Beirut: Dār al-Jīl, 2005), 1:340.

[4] Ibn ʿAbd al-Barr, Yūsuf ibn ʿAbd Allāh, *al-Intiqāʾ fī Faḍāʾil al-Thalāthah al-Aʾimmah al-Fuqahāʾ* (Beirut: Dār al-Fikr al-ʿIlmiyyah, 1997), 168.

[5] Riyāsat ʿAlī, Sayyid Riyāsat ʿAlī Nadwī, *Imām Abū Yūsuf* (Azamgarh: Dār al-Muṣannifīn, 1937), 1:25.

[6] al-Dhahabī, Shams al-Dīn Muḥammad ibn Aḥmad, *Siyar Aʿlām al-Nubalāʾ* (Beirut: Muʾassasat al-Risālah, 1985), 8:536.

[7] Ibn Ḥajar al-ʿAsqalānī, Aḥmad ibn ʿAlī, *Tahdhīb al-Tahdhīb* (Hyderabad: Maṭbaʿat Dāʾirat al-Maʿārif al-Niẓāmiyyah, 1907), 11:96.

[8] Qāḍī ʿIyāḍ, ʿIyāḍ ibn Mūsā, *Tartīb al-Madārik wa Taqrīb al-Masālik* (Marrakesh: n.p., n.d.), 1:180.

[9] al-Makkī, *Manāqib al-Imām al-Aʿẓam*, 2:115.

[10] Ibn ʿAbd al-Barr, *al-Intiqāʾ fī Faḍāʾil al-Thalāthah al-Aʾimmah al-Fuqahāʾ*, 172.

[11] al-Sarakhsī, *al-Mabsūṭ*, 1:46.

[12] al-Kāsānī, ʿAlāʾ al-Dīn Abū Bakr ibn Masʿūd, *Badāʾiʿ al-Ṣanāʾiʿ fī Tartīb al-Sharāʾiʿ* (Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 1986), 1:228.

[13] Ibn ʿĀbidīn, *Radd al-Muḥtār*, 1:464.

[14] al-Marghīnānī, Burhān al-Dīn ʿAlī ibn Abī Bakr, *al-Hidāyah Sharḥ Bidāyat al-Mubtadī* (Beirut: Dār Iḥyāʾ al-Turāth al-ʿArabī, n.d.), 1:102.

[15] Ibn ʿĀbidīn, *Radd al-Muḥtār*, 2:302.

[16] al-Marghīnānī, *al-Hidāyah Sharḥ Bidāyat al-Mubtadī*, 1:124.

[17] al-Kāsānī, *Badāʾiʿ al-Ṣanāʾiʿ fī Tartīb al-Sharāʾiʿ*, 2:108.

[18] Ibid., 5:3.

[19] al-Marghīnānī, *al-Hidāyah Sharḥ Bidāyat al-Mubtadī*, 3:13.

[20] Ibid., 2:316.

[21] al-Kāsānī, *Badāʾiʿ al-Ṣanāʾiʿ fī Tartīb al-Sharāʾiʿ*, 2:242.

[22] al-Marghīnānī, *al-Hidāyah Sharḥ Bidāyat al-Mubtadī*, 2:74.

[23] Ibn ʿĀbidīn, *Radd al-Muḥtār*, 3:735.

[24] al-Kāsānī, *Badāʾiʿ al-Ṣanāʾiʿ fī Tartīb al-Sharāʾiʿ*, 7:79.

[25] al-Marghīnānī, *al-Hidāyah Sharḥ Bidāyat al-Mubtadī*, 2:98.

[26] Ibn ʿĀbidīn, *Radd al-Muḥtār*, 4:62.